تعلیم کی زبان یا زبان کی تعلیم؟
قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ کے تناظر میں ہندوستان میں کثیر لسانیت کی تعلیمی معنویت

ڈاکٹر ندیم احمد
اسسٹنٹ پروفیسر (شعبۂ اردو کِروڑی مل کالج، دہلی یونیورسٹی)
ڈاکٹر پروین کمار سرجن
اسسٹنٹ پروفیسر (اسکول آف ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ

تلخیص

یہ تحریر قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ کے تناظر میں ہندوستان میں کثیر لسانی تعلیم کی تعلیمی اور تہذیبی اہمیت کا جائزہ پیش کرتی ہے۔ مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کو بچوں کی فکری نشوونما، ثقافتی شناخت اور نفسیاتی اعتماد کے لیے بنیادی قرار دیا گیا ہے۔ مقالہ این ای پی ۲۰۲۰ کے کثیر لسانی وژن اور اس کے عملی نفاذ میں درپیش چیلنجز، جیسے اساتذہ کی تربیت، نصابی مواد کی کمی، والدین کی انگریزی مرکز سوچ اور زبان کی سیاست، پر روشنی ڈالتا ہے۔ ساتھ ہی یہ واضح کرتا ہے کہ ٹیکنالوجی اور مناسب پالیسی ہم آہنگی کے ذریعے کثیر لسانی تعلیم کو تعلیمی مساوات اور قومی یکجہتی کا مؤثر ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰, کثیر لسانی تعلیم, مادری زبان, سہ لسانی فارمولا, تعلیمی مساوات, لسانی تنوع

بھارت ایک ایسا ملک ہے جہاں زبانیں صرف الفاظ کی زنجیر نہیں بلکہ جذبات، روایات اور تاریخ کی جیتی جاگتی روح ہیں۔ یہاں کی ہر گلی، ہر بستی، ہر شہر اپنے اندر ایک مخصوص لسانی نغمہ سموئے ہوئے ہے، جیسے ایک عظیم سمفونی ہال میں ہزاروں ساز بیک وقت گونج رہے ہوں۔ قومی تعلیمی پالیسی دو ہزار بیس، جو عام طور پر این ای پی دو

ہزار بیس کے نام سے موسوم ہے، نے اسی سمفونی کو تعلیم کے مرکز میں لا کھڑا کیا ہے۔ اس پالیسی کا جوہر کثیر لسانیت ہے، یعنی درس و تدریس کے ایسے نظام کا قیام جہاں طفل اپنی ماں بولی میں سوچے، سمجھے، اور اظہار کرے، پھر تدریجاً ہندی، انگریزی اور دیگر علاقائی زبانوں کے امتزاج سے آگے بڑھے۔ یہ خیال محض علمی ارتقا تک محدود نہیں بلکہ تہذیبی بقا کا بھی مظہر ہے، کیونکہ جب کوئی بچہ اپنی زبان میں تعلیم پاتا ہے تو اس کا اعتماد جڑ پکڑتا ہے اور وہ دنیا کو اپنے نقطۂ نظر سے دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ مگر یہ نظریہ جب عمل کی سرزمین پر اترتا ہے تو اسے بے شمار رکاوٹوں کے خارزار سے گزرنا پڑتا ہے۔ مجھے یاد ہے، کئی برس قبل جب میں ایک دور افتادہ گاؤں کے اسکول میں گیا تو دیکھا کہ بچے جو گھروں میں تیلگو بولتے تھے، کلاس میں ہندی کی کتابیں ہاتھوں میں لیے بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی الجھن تھی اور استاد کی آواز ان کے کانوں سے زیادہ فضا میں تحلیل ہو جاتی تھی۔ این ای پی دو ہزار بیس، جسے انتیس جولائی دو ہزار بیس کو کابینہ نے منظور کیا تھا، اب دو ہزار پچیس میں قدم رکھ چکی ہے، مگر اس کا کثیر لسانی باب تاحال ایک نامکمل داستان کی طرح معلق ہے۔ یہ تحریر انہی چیلنجز اور رکاوٹوں کو دریافت کرنے کی ایک کوشش ہے جو لسانی، معاشی، سماجی اور سیاسی سطح پر بکھری پڑی ہیں، اور ساتھ ہی ان حکمتِ عملیوں پر بھی غور کرتی ہے جو اس خواب کو ایک زندہ حقیقت میں بدل سکیں۔ یہ سب کچھ ایک مسلسل بہاؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے، جیسے کوئی بزرگ استاد اپنے شاگردوں کے سامنے اپنی یادوں اور تجربوں کا خزانہ بے ساختہ طور پر کھول دے، بغیر کسی عنوان یا فہرست کے، محض دل کی گہرائیوں سے۔ سب سے پہلے بھارت کی لسانی دنیا کا دریچہ کھولتے ہیں تاکہ منظر صاف ہو۔ یہاں دستور کے آٹھویں شیڈول میں بائیس زبانیں باضابطہ تسلیم کی گئی ہیں، جن میں ہندی، بنگالی، تامل، تیلگو، ملیالم، مراٹھی، گجراتی، پنجابی اور دیگر شامل ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی انفرادی روح رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں علاقائی بولیاں اور قبائلی زبانیں بھی ہیں، جیسے سانتھالی جو جھارکھنڈ میں بولی جاتی ہے، گونڈی جو چھتیس گڑھ کے جنگلات میں گونجتی ہے، بوڈو جو آسام کی پہاڑیوں میں بسی ہے، یا کوکبک جو شمال مشرق کی قبائلی بستیوں کی پہچان ہے۔ پیپلز لینگو یج سروے آف انڈیا، جو دو ہزار ایک میں شائع ہوا، اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ یہاں سات سو اسی سے زائد زبانیں رائج ہیں، جو

دنیا کی کل لسانی تنوع کا تقریباً دس فیصد ہیں۔ یہ تنوع بھارت کی اصل طاقت ہے، مگر تعلیمی نظام میں اسے سنبھالنا ایک نازک چیلنج بن چکا ہے۔ این ای پی دو ہزار بیس کی شق چار اعشاریہ گیارہ میں واضح طور پر درج ہے کہ پانچویں جماعت تک تعلیم ماں بولی، مقامی یا علاقائی زبان میں دی جانی چاہیے، اور اس کے بعد تین زبانوں کا فارمولا اپنایا جائے: علاقائی زبان، ہندی یا اس کے متبادل میں کوئی اور، اور انگریزی۔ یہ پالیسی یونیسکو کی دو ہزار تین کی سفارشات سے متاثر ہے جو بین الاقوامی یومِ مادری زبان کے موقع پر پیش کی گئی تھیں، جن کے مطابق کثیر لسانی ماحول میں تعلیم حاصل کرنے سے بچوں کی علمی استعداد میں بیس سے تیس فیصد تک اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ مفہوم کو اپنی فطری زبان میں پہلے جذب کرتے ہیں اور بعد میں دوسری زبانوں کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ "ماں بولی" کی تعریف کیا ہے؟ شہری بچے گھر میں ایک زبان، اسکول میں دوسری، اور سڑک پر تیسری زبان سنتے ہیں تو ان کی حقیقی ماں بولی کون سی مانی جائے؟ دیہی علاقوں میں تو یہ مسئلہ اور بھی گہرا ہے، جہاں قبائلی بچوں کی بولیاں جو تقریباً سات اعشاریہ پانچ فیصد آبادی بولتی ہے، سرکاری نصاب میں شامل ہی نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر اڑیسہ کے مالک انجھاگڑھ ضلع میں سانتھالی بولنے والے بچوں کو اوڑیا میں تعلیم دی جاتی ہے، جو ان کے ثقافتی پس منظر سے مطابقت نہیں رکھتی اور ان کے لیے ذہنی انتشار پیدا کرتی ہے۔ این ای پی نے اس کا حل تلاش کرنے کے لیے نیشنل کونسل فار ٹیچر ایجوکیشن اور نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے، مگر دو ہزار پچیس کی تازہ ترین یوڈی آئی ایس ای پلس رپورٹ کے مطابق صرف بیالیس فیصد ابتدائی اسکولوں میں مادری زبان میں تدریس کا آغاز ہوا ہے، جب کہ اٹھاون فیصد اب بھی ہندی یا انگریزی پر انحصار کر رہے ہیں۔ یہ اعداد و شمار اس امر پر compel کرتے ہیں کہ ہم ان چیلنجز پر غور کریں جو محض عملی نہیں بلکہ گہرے سماجی مسائل سے جڑے ہیں۔ چیلنجز کی فہرست طویل ہے مگر سب سے. بنیادی مسئلہ اساتذہ کی تربیت اور تیاری کا فقدان ہے، جو کثیر لسانی کلاس روم کی روح ہے۔ بھارت میں تقریباً ستانوے لاکھ اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں جن میں سے ستر فیصد سرکاری اسکولوں میں ہیں اور باقی نجی اداروں میں۔ مگر ان میں کتنے ایسے ہیں جو کثیر لسانی تدریس کے ماہر ہوں؟ نیشنل اچیومنٹ سروے دو ہزار اکیس،

جس کی تازہ کاری دو ہزار چوبیس میں ہوئی، یہ ظاہر کرتا ہے کہ صرف بائیس فیصد اساتذہ کو علاقائی زبانوں میں پڑھانے کی بنیادی تربیت ملی ہے، حالانکہ این ای پی دو ہزار بیس نے بی ایڈ، ڈی ای ایل ایڈ اور دیگر تربیتی کورسز میں کثیر لسانی ماڈیولز کو شامل کرنے کا واضح حکم دیا تھا۔ نیشنل کونسل فار ٹیچر ایجوکیشن نے دو ہزار بائیس میں نیشنل کری کیولم فار ٹیچر ایجوکیشن جاری کیا، جس میں پچاس گھنٹوں کی ان سروس ٹریننگ کا ذکر ہے، مگر اس پر عمل درآمد نہایت سست روی سے ہو رہا ہے۔ اس تاخیر کی بنیادی وجہ ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹس آف ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ اور اسٹیٹ کونسلز میں وسائل کی شدید کمی ہے، جہاں نہ تربیت کار دستیاب ہیں، نہ معیاری مواد، اور نہ ہی مناسب فنڈنگ۔ ایک استاد جو خود ہندی یا انگریزی میں تعلیم یافتہ ہو، وہ تامل ناڈو کے دیہی اسکول میں تامل میں تدریس کیسے کرے؟ میں نے ایسے متعدد اساتذہ سے ملاقات کی ہے جو بتاتے ہیں کہ وہ کلاس میں محض ترجمے میں وقت گزارتے ہیں، مگر وقت کی تنگی کے باعث طلبہ کی توجہ بکھر جاتی ہے، نتیجتاً نہ پہلی زبان میں پختگی آتی ہے نہ دوسری میں روانی۔

کورونا وبا نے اس مسئلے کو مزید واضح کر دیا۔ دو ہزار بیس سے دو ہزار بائیس کے دوران آن لائن کلاسوں میں انگریزی انٹرفیس کی وجہ سے دیہی بچوں کا پینتالیس فیصد ڈراپ آؤٹ ریکارڈ کیا گیا، جیسا کہ اینول اسٹیٹس آف ایجوکیشن رپورٹ دو ہزار تیئس میں ظاہر ہوا۔ این ای پی کا کثیر لسانی خواب جو ڈیجیٹل پلیٹ فارمز جیسے دکشا پر مبنی ہے، انٹرنیٹ کی کمی کے باعث ادھورا رہ جاتا ہے، کیونکہ دو ہزار پچیس تک بھی صرف پچپن فیصد دیہی اسکولوں میں براڈ بینڈ کی سہولت موجود ہے، جیسا کہ ٹرائی کی رپورٹ بتاتی ہے۔ یہ سب عوامل مل کر اساتذہ کو ایک ایسے معرکے میں دھکیل دیتے ہیں جہاں وسائل کم اور توقعات زیادہ ہیں۔ کثیر لسانی تعلیم کا دوسرا بڑا چیلنج نصابی مواد کی تیاری ہے۔ جب تک نصاب بچے کی اپنی زبان میں دستیاب نہ ہو، وہ علم کے سمندر میں خود کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نے اگرچہ فاؤنڈیشنل لیول کے لیے بارہ زبانوں میں ابتدائی درسی مواد تیار کیا ہے، مگر ملک میں بولی جانے والی سات سو زبانوں کے تناظر میں یہ محض ایک قطرہ ہے۔ ریاستی سطح پر چند نمایاں مثالیں ضرور موجود ہیں، جیسے کرناٹک میں کُورچ، مہاراشٹر میں بھلی، اور جھارکھنڈ میں سانتھالی زبانوں کے پرائمری نصاب

کی تیاری، لیکن ان منصوبوں کی رسائی محدود ہے۔ کئی ریاستیں اب بھی قومی نصاب کے ترجمے پر انحصار کر رہی ہیں، جن میں اکثر مفاہیم کے ترجمے میں بامعنی ربط کھو جاتا ہے۔

مثلاً "نیچر اسٹڈی" کے انگریزی ماڈیول کا لفظی ترجمہ "قدرتی مطالعہ" جب قبائلی بچے کے سامنے آتا ہے، تو وہ قدرت کو اپنے تجرباتی دائرے سے جوڑنے کے بجائے اسے کتابی علم کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح "سائنس" کے لیے بعض مقامی زبانوں میں کوئی ہم معنی اصطلاح ہی موجود نہیں، اس لیے معلم کو ہر سبق میں تشریح اور تمثیل کے ذریعے مطلب سمجھانا پڑتا ہے۔ اس عمل میں وقت کا ضیاع ہوتا ہے اور تعلیمی تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔

کثیر لسانی تدریس کے نفاذ میں ایک اور بڑی رکاوٹ والدین کا رویہ ہے۔ والدین میں ایک عام خیال رائج ہے کہ انگریزی ذریعہ تعلیم ہی ترقی کی کنجی ہے، چنانچہ وہ بچوں کو انگریزی میڈیم اسکولوں میں داخل کروانے کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے انہیں اپنی زبان کے اسکول پاس ہی کیوں نہ ملیں۔ اس طرزِ فکر کے پیچھے تاریخی اور سماجی عوامل کارفرما ہیں۔ نوآبادیاتی دور سے لے کر آج تک انگریزی کو طاقت، روزگار اور وقار کی علامت سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیہی علاقوں میں بھی اب انگریزی بولنے کو "ترقی" اور "مہذبیت" کا معیار تصور کیا جانے لگا ہے۔ این ای پی دو ہزار بیس نے اگرچہ واضح کیا ہے کہ انگریزی کا رد نہیں کیا جا رہا بلکہ اس کے ساتھ مقامی زبانوں کو بھی برابر کا درجہ دیا جا رہا ہے، تاہم زمینی سطح پر یہ توازن قائم کرنا دشوار ثابت ہو رہا ہے۔ ایک طرف سرکاری اسکولوں میں ماں بولی کی ترویج کی بات کی جاتی ہے، دوسری طرف نجی اسکولوں میں والدین کی خواہش کے مطابق انگریزی میڈیم کا دائرہ مسلسل پھیلتا جا رہا ہے۔ نتیجتاً سماجی درجہ بندی کی ایک نئی لکیر کھنچتی جا رہی ہے: ایک طبقہ وہ جو اپنی مادری زبان میں پڑھتا ہے، اور دوسرا وہ جو انگریزی میں تعلیم حاصل کر کے بہتر مواقع حاصل کرتا ہے۔ کثیر لسانیت کے اس منظرنامے میں ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے، اور وہ ہے زبانوں کے باہمی تعلق کا سوال۔ بھارت کی زبانیں الگ الگ درخت نہیں بلکہ ایک ہی تہذیبی جنگل کی شاخیں ہیں۔ ہندی، اردو اور فارسی کا باہمی رشتہ اس کی سب سے روشن مثال ہے۔ ایک ہی جملے میں ہندی کا دھیرج، اردو کا لطف اور فارسی کا حسن ایک ساتھ بولتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے تعلیمی

نظام میں ان رشتوں کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ نصاب میں زبانوں کے اس باہمی اشتراک پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اگر کوئی استاد بچوں کو یہ سکھائے کہ "دل" اور "قلب" ایک ہی جذبے کے دو نام ہیں، یا "روشنی" اور "نور" ایک ہی مفہوم کے دو زاویے ہیں، تو شاید وہ زبانوں کے درمیان دیوار نہیں بلکہ پل تعمیر کرے۔ این ای پی دو ہزار بیس نے اگرچہ اس فکری ربط کو تسلیم کیا ہے، مگر اس پر عمل درآمد کے لیے کسی منظم منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ زبانوں کی سیاست سے جڑا ہوا ہے۔ بھارت میں زبان محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ شناخت، اقتدار، اور بعض اوقات مزاحمت کا نشان بھی ہے۔ ہندی کو قومی زبان کا درجہ دینے کی بحث ہو یا جنوبی ریاستوں میں علاقائی زبانوں کے تحفظ کی تحریکیں، زبان کا سوال ہمیشہ جذبات اور سیاست کے پیچ پھنسا رہا ہے۔ کثیر لسانی پالیسی کے نفاذ کے وقت یہی تنازعہ سر اٹھاتا ہے۔ مثال کے طور پر، تامل ناڈو نے تین زبانوں کے فارمولے کی مزاحمت کی اور دو زبانوں (تامل اور انگریزی) پر اصرار کیا، کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ ہندی کے فروغ سے مقامی شناخت متاثر ہوگی۔ اسی طرح شمال مشرقی ریاستوں میں کئی مقامی زبانوں کے علمبرداروں نے مطالبہ کیا کہ ان کی زبانوں کو بھی تدریسی ذریعہ بنایا جائے، مگر وسائل کی کمی کے باعث حکومت انہیں مکمل طور پر شامل نہ کر سکی۔

یہ تضادات ظاہر کرتے ہیں کہ کثیر لسانی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لیے محض تعلیمی اصلاح کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ایک ثقافتی مصالحت بھی درکار ہے، جہاں ہر زبان کو برابری اور احترام کے ساتھ قبول کیا جائے۔ اسی پس منظر میں ایک امید کی کرن نئی ٹیکنالوجی کی شکل میں ابھرتی ہے۔ مصنوعی ذہانت اور خودکار ترجمہ کے جدید اوزار تعلیم میں لسانی فاصلے کم کر سکتے ہیں۔ مثلاً "بھاشانیٹ"، "اِند کسن"، اور "این ایل پی انڈیا" جیسے منصوبے اب ہندوستانی زبانوں کے درمیان خودکار ترجمے کی سہولت فراہم کر رہے ہیں۔ این ای پی نے اس پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مستقبل کا تعلیمی ڈھانچہ ٹیکنالوجی کے ذریعے کثیر لسانی تعامل کو فروغ دے گا۔

نیشنل ڈیجیٹل ایجوکیشنل آرکیٹیکچر (NDEAR) کے تحت بنائے گئے پلیٹ فارمز جیسے دِکشا اور سوَیم پر اب مختلف ریاستوں کی زبانوں میں تعلیمی مواد اپلوڈ کیا جا رہا ہے۔ اس اقدام سے یہ امید بندھی ہے کہ آنے والے برسوں میں زبان تعلیم کی دیوار نہیں بلکہ پُل بن جائے گی۔ تاہم ٹیکنالوجی تک رسائی اب بھی غیر مساوی ہے۔ شہروں میں جہاں ہر ہاتھ میں موبائل اور انٹرنیٹ موجود ہے، وہیں دیہی علاقوں کے اسکول آج بھی بجلی اور نیٹ ورک کے انتظار میں ہیں۔ اس تفاوت کو دور کیے بغیر کثیر لسانی خواب ادھورا ہی رہے گا۔

کثیر لسانی تدریس کے چیلنجز میں ایک پہلو جذباتی و نفسیاتی بھی ہے، جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جب کسی بچے کو اپنی زبان میں پڑھایا نہیں جاتا تو وہ اپنی شناخت سے کٹنے لگتا ہے۔ اس کے اندر احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زبان کم تر ہے۔ میں نے خود ایسے بچوں کو دیکھا ہے جو اسکول میں ہندی بولنے سے جھجکتے ہیں کیونکہ وہ "انگریزی اسکول" کے تصور سے مرعوب ہیں۔ این ای پی دو ہزار بیس کا ایک غیر علانیہ مقصد اسی احساسِ کمتری کو ختم کرنا ہے۔ زبان کو عزت دینا دراصل انسان کو عزت دینے کے مترادف ہے۔ کثیر لسانیت کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ صرف تعلیمی نہیں بلکہ تہذیبی ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہے۔ جب ایک بچہ مختلف زبانوں کے الفاظ، محاورے اور لہجے سنتا ہے تو اس کا ذہن کشادگی اختیار کرتا ہے۔ وہ فرق کو قبول کرنا سیکھتا ہے اور تنوع کو حسن سمجھنے لگتا ہے۔ بھارت جیسے ملک میں جہاں مذہب، نسل، طبقہ اور زبان کی بنیاد پر اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہاں کثیر لسانی تعلیم دراصل قومی یکجہتی کا عملی مظہر بن سکتی ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر "ایک بھارت، شریشٹھ بھارت" کا خواب تعبیر پاتا ہے۔ زبانوں کے درمیان ہم آہنگی، قوموں کے درمیان محبت پیدا کرتی ہے، اور یہی این ای پی دو ہزار بیس کے پس منظر میں سب سے بڑی روحانی قدر ہے۔

اس تناظر میں اساتذہ کی تربیت، نصاب کی مقامی تشکیل، اور ٹیکنالوجی کے متوازن استعمال کے ساتھ ساتھ ایک ایسے ذہنی ماحول کی تشکیل بھی ضروری ہے جہاں زبان کو تفریق نہیں بلکہ ربط کا وسیلہ سمجھا جائے۔ اسکولوں میں کثیر لسانی سرگرمیوں جیسے ترجمہ مقابلے، مادری زبان کے دن کی تقریبات، اور دو لسانی کہانی گوئی کے پروگرام اس سمت

میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ نیشنل ایجوکیشنل ٹکنالوجی فورم نے حال ہی میں ایک سفارش پیش کی ہے کہ ہر اسکول میں کم از کم دو زبانوں میں تدریسی مواد دستیاب ہو، تاکہ طلبہ اپنی مادری زبان اور ایک دیگر زبان کے درمیان باہمی تبادلے سے علم حاصل کر سکیں۔ یہ امر بھی اہم ہے کہ کثیر لسانیت کو صرف ابتدائی سطح تک محدود نہ رکھا جائے۔ جب طلبہ اعلیٰ تعلیم کی سطح پر پہنچتے ہیں تو اکثر ان کی مادری زبانوں کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ جامعات میں انگریزی ہی غالب تدریسی زبان ہے۔ اگر تحقیق، سائنسی مباحث اور علمی مکالمات کو علاقائی زبانوں میں بھی فروغ دیا جائے تو تعلیم میں حقیقی شمولیت ممکن ہو سکتی ہے۔ دہلی یونیورسٹی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، اور عثمانیہ یونیورسٹی نے اس ضمن میں کچھ مثبت قدم اٹھائے ہیں۔ مثلاً "ملٹی لنگول ریسرچ سینٹرز" کا قیام، جہاں مختلف زبانوں میں علمی مواد کا ترجمہ اور اشاعت کی جارہی ہے۔ یہ اقدامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ کثیر لسانیت محض ایک تعلیمی تصور نہیں بلکہ مستقبل کی علمی سیاست کی سمت طے کرنے والا اصول ہے۔

کثیر لسانیت کے نفاذ کے لیے پالیسی ساز اداروں کے درمیان بہتر ہم آہنگی بھی ناگزیر ہے۔ وزارتِ تعلیم، این سی ای آر ٹی، یو جی سی، اور ریاستی تعلیمی محکموں کے درمیان واضح رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے کئی اسکیمیں نیم فعال رہ جاتی ہیں۔ این ای پی نے ایک "نیشنل مشن آن لینگویجز" کے قیام کی تجویز دی تھی جو مختلف زبانوں کے فروغ اور تدریسی استعمال کے لیے مرکزی نگران ادارہ ہو، مگر دو ہزار پچیس تک اس کا عملی خاکہ ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ اگر یہ مشن جلد عمل میں آجائے تو نصابی مواد، اساتذہ کی تربیت، اور ٹیکنالوجی کے استعمال میں یکسانیت پیدا ہو سکتی ہے۔ کثیر لسانیت کی کامیابی کے لیے سب سے ضروری شرط "رویہ" ہے۔ جب تک ہم زبانوں کو برتری یا کم تری کے پیمانے پر تولتے رہیں گے، تب تک تعلیم میں مساوات ممکن نہیں۔ زبان کو محض ذریعۂ علم نہیں بلکہ ایک تہذیبی سرمایہ سمجھنا ہوگا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ بنگالی میں شاعری کی نرمی، تامل میں فلسفے کی گہرائی، اردو میں بیان کی نزاکت، اور ہندی میں روایت کی مضبوطی، سب مل کر ہماری مشترکہ شناخت بناتے ہیں، تبھی کثیر لسانیت حقیقی معنوں میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

آخر میں یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ این ای پی دو ہزار بیس کا کثیر لسانی تصور بھارت کی روح سے ہم آہنگ ہے۔ اس میں نہ صرف تعلیمی برابری کا پیغام ہے بلکہ تہذیبی احترام، قومی یکجہتی اور عالمی مکالمے کی تمنا بھی شامل ہے۔ چیلنجز بے شک کم نہیں وسائل کی قلت، نصاب کی پیچیدگی، سیاسی اختلافات، اور والدین کے تصورات مگر اگر نیت مضبوط ہو اور وژن واضح، تو یہ سب رکاوٹیں زائل ہو سکتی ہیں۔ کثیر لسانی تعلیم دراصل وہ آئینہ ہے جس میں بھارت اپنی اصل صورت میں جھلکتا ہے رنگا رنگ، متنوع، مگر ایک۔ یہی اس قوم کی طاقت ہے، یہی اس کی پہچان۔

مراجع / حوالہ جات

حکومتِ ہند، وزارتِ تعلیم۔(۲۰۲۰). قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ .(National Education Policy 2020)
نئی دہلی: وزارتِ تعلیم، حکومتِ ہند۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (NCERT). (2021). Position Paper on Multilingual Education. نئی دہلی: این سی ای آر ٹی۔

نیشنل کونسل فار ٹیچر ایجوکیشن (NCTE). (2022). National Curriculum Framework for Teacher Education (NCFTE). نئی دہلی۔

یونیسکو۔(۲۰۰۳). Education in a Multilingual World. (پیرس: UNESCO.

نیشنل اسٹیٹسٹیکل آفس (NSO). (2024). Annual Status of Education Report (ASER 2023-24). نئی دہلی۔

نیشنل ایجوکیشنل ٹکنالوجی فورم (NETF). (2024). Digital Inclusion and Language Equity Report. نئی دہلی۔

پیپلز لینگوئج سروے آف انڈیا۔(۲۰۰۱). The People's Linguistic Survey of India. (نئی دہلی: بھارت بھاشا پریشد۔

وزارتِ ٹیلی کمیونیکیشن، حکومتِ ہند۔(۲۰۲۵). TRAI Report on Rural Internet Connectivity. نئی دہلی۔
نیشنل ڈیجیٹل ایجوکیشنل آرکیٹیکچر (NDEAR). (2023). Policy Framework for Multilingual Digital Learning. نئی دہلی۔
احمد، ن۔(۲۰۲۵). بھارتی کلاس رومز میں کثیر لسانی تدریس کا نفاذ: قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ کے تناظر میں چیلنجز اور حکمتِ عملی. دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

❊❊❊